ہیں اور اپنے مفادات کے مطابق پالیسی بنانے میں آزاد ہیں۔

لہٰذا ہم سعودی عرب اور خلیجی ممالک کے اقدامات کو تحفظ حرمین شریفین کی خاطر سراہتے اور خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ان تمام سیاسی، سماجی اور دینی جماعتوں کی تائید وحمایت کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جنہوں نے اس مسئلے میں سعودی عرب کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کیا ہے۔

حکومت پاکستان نے اس مسئلے میں جتنی تائید وحمایت کی ہے، اور افواجِ پاکستان نے جہاں غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا ہے، ہم اس کی قدر کرتے ہیں۔ اور اس مشکل وقت میں اپنے دیرینہ محسن ملک کے ساتھ حسب ضرورت اور حتی الوسع عملی تعاون کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس اہم تاریخی موڑ پر پاکستان کی ایٹمی طاقت کو مبہم فیصلوں کے بجائے فیصلہ کن اور مؤثر اقدامات کرنے چاہئیں۔

ہم یمن کی سلامتی، آزادی، استحکام اور امن وامان کے خواہاں ہیں۔ اور مملکت سعودی عرب کی نظریاتی وجغرافیائی سرحدوں کے تحفظ کو اپنا دینی، ایمانی اور اخلاقی فریضہ سمجھتے ہیں۔ اور اس فریضے کی ادائیگی میں جانی قربانیاں پیش کرنے پر بھی آمادہ ہیں۔

اللہ رب العزت امت اسلامیہ کو عقل وشعور سے سرفراز فرمائے، دشمنانِ ملک وملت کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ فرمائے اور حرمین شریفین کی حفاظت کی خاطر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند متفق، متحد اور منظم ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے　　نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

درس قرآن پاک

تراثِ رحمانی درفوائدِ قرآنی

ڈاکٹر اسماعیل محمد امین

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۚ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ ؕ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝﴾[البقرة:٦١]

آیت مبارکہ سے مستنبط فوائد:

فائدہ نمبر1: آیت مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ بنی اسرائیل انتہائی بے وفا اور بد اخلاق قوم تھی۔ اور وہ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کے ساتھ انتہائی بے ادبی سے پیش آتے تھے۔ جب وہ من وسلویٰ سے اکتا گئے اور اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی بے صبری کی شکایت کرتے وقت انہیں یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ کہتے کہ ''یَا نَبِيَّنَا ادْعُ لَنَا رَبَّنَا'' اے ہمارے نبی! ہمارے رب سے ہمارے لیے دعا کیجیے؛ بلکہ وہ اپنی بُری طبیعت پر مجبور ہو کر کہنے لگے ﴿یَا مُوسٰی...... فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ﴾ اے موسیٰ! ہمارے لیے تمہارے رب سے دعا کر۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ ان کی بے ادبی کا پہلا واقعہ نہیں؛ بلکہ ان کا یہی رویہ ہمیشہ رہا ہے، جیسا کہ انہوں نے کہا: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ [المائدۃ: ٢٤] ''تو اور تیرا رب لڑنے کے لیے چلے جاؤ، ہم یہاں بیٹھے رہیں گے۔''

اور وہ ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کے پسندیدہ امور پر اپنی خواہشات کو ترجیح دیتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے آسمانی پاک رزق پر زمینی آلودہ رزق کو ترجیح دی۔ ان کی توجہ کا مرکز زمین اور مادہ پرستی ہے۔ وہ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھتے ہی نہیں تھے۔ ان کی بے صبری اور بیوقوفانہ کردار کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ کی طرف سے ذلت اور غضب کے مستحق ٹھہرے۔[تفسیر القرطبی،ابن العثیمین ،التفسیر المیسر،الإعجاز اللغوی والبیان]

فائدہ نمبر2: جب بنی اسرائیل من وسلویٰ سے اکتاہٹ کے شکار ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جملہ سبزیاں، ککڑی

اور گندم الغرض زمین سے نکلنے والے جملہ غلے اور پیاز سب حلال کر دیے۔ یہ چیزیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں حلال تھیں، تو بالا ولیٰ ہماری امتِ مرحومہ کے لیے حلال ہیں؛ لیکن پیاز اور لہسن کے بارے علماء کے مابین اختلاف ہے۔ ان کی ناگوار بو کی وجہ سے بعض علماء نے نماز باجماعت کی فرضیت لاگو ہونے والے مسلمانوں (مقیم، مرد، مکلّف) پر مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ لیکن راجح قول یہ ہے صرف نماز سے پہلے پیاز اور لہسن کچا نہیں کھانا چاہیے۔ ان کی بو کی وجہ سے مسجد میں دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے اس کو کچا کھانے سے منع فرمایا۔ [صحیح البخاری ح:٨٥٣-٨٥٤]

اگر ان کو پکا کر کھایا جائے یا کچا کھانے کے بعد ان کی بو زائل ہو جائے تو ان کا کھانا جائز ہے۔ یاد رہے جب حلال چیزیں ناگوار بو کی وجہ سے استعمال کرنا ممنوع ہیں؛ تو سگریٹ، نسوار، پان وغیرہ جن کی بو سے ان نشہ بازوں کے علاوہ عام لوگ تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اور ان کے حرام ہونے کی اور بھی وجوہات ہیں، بالا ولیٰ حرام ہیں۔ اور نبی ﷺ چونکہ فرشتوں سے ملاقات کرتے رہتے تھے۔ اس لیے آپ ایسی بدبودار چیزوں سے مطلقاً پرہیز فرماتے تھے۔ اور یہ نبی ﷺ کے لیے خاص ہے۔ [صحیح البخاری ح ٨٥٥ القرطبی، ابن العثیمین]

بعض مفسرین ''دال'' کے فوائد بیان کرتے ہوئے اس کی فضیلت میں ایک مرفوع حدیث بھی بیان کرتے ہیں:

''دال کھاؤ؛ کیونکہ یہ دل کو نرم کرتی ہے۔ اور ستر انبیاء کرام نے اس کی برکت کے لیے دعا فرمائی ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کے موضوع اور من گھڑت ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ اس کے جھوٹ ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ یہود کی پسندیدہ غذا ہے۔ اور جس چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ [محموع الفتاوی ٢٣/٢٧، سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة ح: ٤٠]

الغرض آیت کریمہ میں مذکورہ چیزیں حلال ہیں؛ ان کی تحریم یا فضیلت میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی ہے۔

فائدہ نمبر۳: ﴿يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرح چیزیں دے دیں جو زمین اگاتی ہے۔ یہاں اگانے کی نسبت زمین کی طرف کر دی گئی ہے، جبکہ حقیقت میں اگانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن زمین اگنے کی جگہ اور اگنے کا حقیقی سبب ہے، اس لیے اس کی طرف نسبت کرنا درست ہے۔ کسی چیز کی نسبت غیر ثابت سبب کی طرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اس طرح اللہ کی مشیئت کے ساتھ کسی سبب کو حرف عطف کے ذریعے ملانا، جس سے ان

دونوں چیزوں میں برابری لازم آتی ہو، یہ بھی جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے کہا: ''ما شاءَ اللہُ وشئتَ'' (جواللہ چاہے اور آپ چاہیں) تو نبی ﷺ نے اسے سختی سے منع فرمایا: ''کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک بنایا؟ بلکہ یہ کہو'صرف اللہ تعالیٰ چاہے تو یہ کام ہوگا۔'' [مسند أحمد ۱/۲۱٤] لیکن اگر کوئی کسی چیز کی نسبت اس کے شرعی یا حسی سبب کی طرف کرے اور اس کا عقیدہ یہ ہو، اس کا اصل سبب صرف اللہ ہے تو یہ جائز ہے۔ [العثیمین]

فائدہ نمبر۴: بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کا گوشت، صحرا کی فطری آب وہوا، ظالم بادشاہ سے آزادی اور کسب معاش سے فراغت جیسی عظیم نعمتوں سے نوازا تھا، جس میں وہ علم نافع حاصل کر کے عمل صالح انجام دے کر، اللہ کی عبادت بخوبی سرانجام دینے کے ساتھ جہاد کی تیاری کر کے عزت واقتدار حاصل کر سکتے تھے؛ مگر انہوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی۔ ان کے مقابلہ میں کھیتی باڑی کا مطالبہ کرنے لگے، جو ہمیشہ فاتح اقوام مفتوح قوموں سے کرواتی ہیں۔ اور جس میں مکمل مشغولیت کا نتیجہ ذلت ومسکنت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ [النساء] ''اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔'' اس آیت کی تفسیر صحیح بخاری میں ہے کہ ابوامامہ باہلی نے ہل اور کھیتی باڑی کا کوئی اوزار دیکھا تو فرمایا: ''لایدخلُ هذا بیتَ قومٍ إلا أدخلَهُ اللهُ الذلَّ'' ''یہ چیزیں کسی گھر میں داخل نہیں ہوئیں مگر اللہ تعالیٰ اس میں ذلت داخل کر دیتا ہے۔''

اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھیتی باڑی حرام ہے، بلکہ اس کام میں کھو جانا دنیا وآخرت میں ذلت کا سبب بنتا ہے، جس کی وجہ سے عبادات کی ادائیگی میں پابندی مشکل ہو جائے اور جہاد ترک کرنا پڑے۔ اس لیے امام بخاری نے اس حدیث پر باب باندھا ہے: ''باب ما یحذَر مِن عواقبِ الاشتغالِ بآلةِ الزرعِ أو مجاوزةِ الحدِّ الذی أمِرَ به'' (ان خطرات کا بیان جو کھیتی باڑی کے اوزار میں زیادہ مشغول ہونے کے نتیجے میں یا اس کے حدود سے تجاوز کرنے میں پیش آتے ہیں۔)

فائدہ نمبر۵: ﴿قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ بنی اسرائیل نے من وسلویٰ جو سب سے اعلیٰ وعمدہ کھانا تھا، اس کے بدلے ادنیٰ چیزوں کا مطالبہ کیا تو اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کی مذمت کی اور انہیں ڈانٹ دیا۔ پس جو بھی کسی عمدہ اور افضل پر ادنیٰ اور کمتر چیز کو پسند کرے، وہ ملامت اور توبیخ کا مستحق ہے۔ اور اسی میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو شخص کسی ادنیٰ کو اعلیٰ چیز پر ترجیح دے، اسی طرح بالاولیٰ حلال چیز پر حرام کو ترجیح دے۔ اس میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ بغیر اسراف کے حلال، عمدہ

اورلذیذ کھانوں کے استعمال میں کوئی مذمت نہیں ہے۔ جب صحابہ کرام ﷺ برنی، جنیب وغیرہ عمدہ کھجور لے کر آئے، تو آپ ﷺ نے عمدہ کھجور کو پسند فرمایا، اس کے کھانے پر انکار نہیں کیا؛ لیکن جب آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ وہ اس عمدہ کھجور کے مقابلے میں ردی کھجور دوگنا دے کر خرید لائے ہیں، تو اس سودے کو آپ ﷺ نے سود قرار دیا۔ [البخاری ح۲۳۱۲؟، البیوع باب ۸۹ إذا أراد بیع تمر بتمر خیر منه ح:۲۰۸۹، مسلم المساقاة ح:۱۵۹۳ عن أبي سعید وأبي هریرة، البخاري الوکالة باب ۱۱ إذا باع الوکیل شیئا فاسدا فبیعه مردود ح:۲۱۸۸، مسلم المساقاة ح:۱۵۹٤ عن أبي سعید]

آپ ﷺ شہد اور میٹھی چیزوں کو پسند فرماتے تھے۔لیکن اگر کوئی خاص شرعی مقصد کے لیے کسی لذیذ چیز کو ترک کرتا ہے تو مذموم نہیں؛ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے عام الرمادہ (قحط سالی) کے موقع پر لذیذ چیزوں کا استعمال چھوڑ دیا اور کہنے لگے: ''لوگوں کی بھوک میں اگر میں سیر ہو کر کھاؤں تو میں برا حکمران ہوں گا۔'' لیکن بغیر کسی شرعی غرض کے لذیذ اور حلال چیزوں کا ترک مذموم ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب اپنے بندے پر کوئی نعمت فرماتا ہے، تو چاہتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اپنے بندے پر نمایاں ہو۔'' [الصحیحة ح ۲۹۰، القرطبی ،ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۶: ﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ مذکورہ آیت مبارکہ میں وارد ڈانٹ کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے، لیکن نصوص شرعیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا تعلق صرف مخاطب تک محدود نہیں رہتا؛ بلکہ الفاظ کے عموم سے دیگر مسائل استنباط کیے جاتے ہیں۔ ''العبرةُ بعمومِ اللفظِ لا بخصوصِ السببِ'' پس اس کی عمومی توبیخ میں امت محمدیہ کے وہ افراد بھی شامل ہیں جو یہودیوں کی عاداتِ سیئہ پر چلنے والے ہیں۔ اور یہ قرآنی جملہ ﴿قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ ایک قاعدہ کلیہ ہے۔ کتاب وسنت سے ثابت تمام احکام، خواہ ان کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عبادت یا معاملات، اخلاقیات یا سیاست یا معیشت سے ہو، وہ خیر ہی خیر ہے۔ ان کے متبادل خود ساختہ قوانین ادنیٰ ہیں۔ ان میں کوئی بھی خیر نہیں ہے۔ پس جو بھی کتاب وسنت سے ہٹ کر عقیدہ اپنائے اور غیر شرعی وسیلے اختیار کرے، نبی ﷺ کی سنت پر رسوم ورواج یا رہنماؤں اور بزرگوں کی باتوں کو یا بدعتی امور کو ترجیح دے، یا سلام کے اسلامی طریقہ پر امپورٹڈ غیر اسلامی طریقوں کو ترجیح دے؛ مثلاً سلام کی جگہ Good morning، صباح الخیر اور مساء الخیر کہنا، یہ سب کے سب اللہ کے فرمان ﴿قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ کے عموم کو شامل ہیں۔ [التوسل للألباني ص٤٦، الضعیفة ١/١١٥، الصحیحة ٣٢٩/٤، فتاویٰ حسام عفان ٣٣٩/٥،

دروس الشیخ ابی اسحاق الحوینی ۱/۱۳]

فائدہ نمبر۷: ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہود نے اللہ تعالیٰ کی انتہائی نافرمانی کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب نازل کیا اور ہمیشہ کے لیے ذلت اور فقر وفاقہ ان پر مسلط کردی گئی۔ اگر چہ ان کے پاس مال آئے، تب بھی وہ دل سے انتہائی لالچی اور محتاج قوم ہے۔ ان کی دائمی ذلت ومسکنت کا مفہوم جو ائمہ تفسیر، صحابہ وتابعین سے منقول ہے، اس کا خلاصہ ابن کثیر کے الفاظ میں یہ ہے: ''لا یزالون مستذلین من وجدهم استذلهم وأهانهم وضرب عليهم الصغار'' یعنی وہ کتنے ہی مالدار ہوں ہمیشہ تمام اقوام میں ذلیل ہوں گے اور ان پر غلامی کی علامتیں لگا دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول اس کا مفہوم یہ ہے: ''هم أهلُ القبالاتِ يعني الجزية'' یعنی یہودی ہمیشہ دوسروں کی غلامی میں رہیں گے، ان کو ٹیکس ادا کرتے رہیں گے۔ خود ان کو کوئی قوت واقتدار حاصل نہ ہوگا۔

اس مضمون کی ایک آیت سورہ آل عمران میں اس طرح آئی ہے: ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَمَا ثُقِفُوْا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ [الآية:۱۱۲] ''وہ جہاں کہیں پائے جائیں، ان پر ذلت مسلط کردی جائے گی، مگر ہاں ایک تو ایسے ذریعہ سے جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایک ایسے ذریعہ سے جو لوگوں کی طرف سے ہو۔'' اللہ تعالیٰ کے ذریعہ کا مطلب تو یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا ان میں سے وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے قانون میں امن دے دیا ہے، جیسے نابالغ بچے، عورتیں یا ایسے عبادت گزار جو مسلمانوں سے لڑتے نہیں پھرتے، وہ محفوظ و مامون رہیں گے۔

اور ''لوگوں کے ذریعے'' سے مراد صلح کا معاہدہ ہے، جس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو جزیہ دے کر ان کے ملک میں رہیں۔ مگر الفاظ قرآنی میں ﴿مِنَ النَّاسِ﴾ ہے، ''مِن المسلمین'' نہیں۔ اس لیے یہ صورت بھی ممکن ہے کہ دوسرے غیر مسلموں سے معاہدہ کر کے ان کی پشت پناہی میں آجائیں تو وہ مامون رہ سکتے ہیں۔

یہاں سے وہ تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں جو فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم ہونے کی بنا پر بہت سارے لوگوں کو پیش آتے ہیں کہ قرآن کے قطعی ارشادات سے سمجھا جاتا ہے کہ یہودیوں کی حکومت کبھی قائم نہ ہوگی، لیکن ارض فلسطین میں ان کی حکومت قائم ہے۔ جواب واضح ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کی موجودہ حکومت کی حقیقت سے جو لوگ باخبر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ حکومت امریکہ، برطانیہ اور یورپین طاقتوں نے اسلامی بلاک کو کمزور کرنے کے لیے ان کے بیچ میں اسرائیل کے نام سے ایک چھاؤنی بنا رکھی ہے۔ یہ حکومت ﴿بحبلٍ من الناس﴾ کے سہارے قائم ہے وہ بھی

ذلت کے ساتھ۔ اس لیے موجودہ اسرائیلی حکومت سے قرآن کریم کے کسی ارشاد پر ادنیٰ شبہ بھی نہیں آ سکتا۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہود کی شریعت اور تہذیب سب سے پرانی ہونے کے باوجود اگر پوری دنیا میں فلسطین کے ایک چھوٹے سے علاقہ پر ان کا تسلط کسی طرح ہو بھی گیا تو پوری دنیا کے نقشہ میں یہ حصہ ایک نقطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس کے بالمقابل نصاریٰ کی سلطنتیں اور مسلمانوں کے دور تنزل کے باوجود ان کی سلطنتیں، بت پرستوں اور لامذہبوں کی حکومتیں جگہ جگہ، مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کے مقابلے میں اسرائیلی حکومت وہ بھی ''آدھی'' اور یہ بھی یہودیوں کے دینی دشمنوں یعنی نصرانی حکومتوں کی قائم کردہ۔ امریکہ و برطانیہ کے زیر سایہ کہیں ذرا سا تسلط یہودیوں کو حاصل ہو جائے تو اس سے پوری قوم یہود پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلط کردہ دائمی ذلت کی نفی کیسے ہو سکتی ہے!! اس کا کوئی جواب نہیں بن سکتا۔ [الشوکانی، ابن العثیمین، معارف القرآن]

فائدہ نمبر۸: ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ میں یہود مسلمانوں پر کبھی غالب نہیں آ سکتے؛ کیونکہ وہ انتہائی بزدل قوم ہیں۔ ﴿لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ﴾ لیکن دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ یہود عرب ممالک سے کئی مرتبہ جنگ لڑ کر شکست بھی دے چکے ہیں۔ شیخ ابن العثیمین فرماتے ہیں: اس کے دو سبب ہیں:

۱۔ مسلمانوں میں اخلاص کی کمی ہے؛ کیونکہ اکثر لوگ جو یہود سے برسرِ پیکار ہیں، اپنی عربیت کے لیے لڑ رہے ہیں، یہ قبائلی تعصب ہے۔ جب تک وہ صرف اسلام کے لیے نہیں لڑیں گے، انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں ملے گی۔

۲۔ مسلمانوں کا بڑے چھوٹے گناہوں کا کثرت کے ساتھ مرتکب ہونا ہے؛ حتیٰ کہ بعض ایسے گناہ بھی کرتے ہیں خاص طور پر ''عقائد'' میں، جو انہیں کفر کی طرف بھی لے جاتے ہیں۔ یاد رہے اُحد میدان میں مسلمانوں کو ایک گناہ کی وجہ سے بڑا نقصان ہوا تھا۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [آل عمران ۱۵۲، انظر تفسیر ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۹: ﴿وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غضب بھی رحمت کی طرح اللہ کی صفات میں سے ہے۔ اللہ کی صفت غضب دوسری صفات کی طرح بغیر کسی کے ساتھ مشابہت کے اور بغیر کسی تاویل کے ثابت کرنا اہل السنۃ والجماعت کا موقف ہے۔ اور غضب کی تاویل ''ارادہ عقوبت'' یا ''نفس عقوبت'' سے کرنا صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بنی اسرائیل پر غضبناک ہوئے جیسا کہ اللہ کے شایانِ شان ہے۔ [ابن العثیمین، احسن البیان]

فائدہ نمبر۱۰: زیرتفسیر آیت کریمہ میں تکبر کو بنی اسرائیل پر ذلت و مسکنت اور غضب الٰہی کا بڑا سبب قرار دیا، فرمایا: ﴿ذٰلِکَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ''کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہوئے حق کو ٹھکرایا اور حاملین شریعت یعنی انبیاء اور ان کے پیروکاروں کی اتنی زیادہ تحقیر اور تنقیص کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے بعض انبیاء کرام کو قتل کر ڈالا۔'' یہی عین تکبر ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے تکبر کا مفہوم بیان کر کے فرمایا: ''الكبرُ بَطرُ الحقِّ وغمطُ الناسِ'' [صحيح مسلم ح: ٢٦١] ''تکبر حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔'' [تفسیر ابن کثیر]

فائدہ نمبر۱۱: اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ انبیاء کرام ہی انسانیت کی ہدایت اور دائمی کامیابی کا سبب ہیں۔ لہٰذا تمام انسانوں پر واجب ہے کہ انبیاء کرام اور ان کے بعد ان کے مشن کو چلانے والے داعیانِ حق اور علماء کرام کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آئیں۔ لیکن بنی اسرائیل نے جس سنگ دلی کے ساتھ انبیاء کرام کی توہین کی، اس کی مثال کسی امت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ انہوں نے کتنے ہی انبیاء کو قتل اور ذبح کیا۔ آری سے انہیں چیرا۔ انہی بدترین اور سیاہ کارناموں کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے اللہ کے غضب کے مستحق ٹھہرے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اشتدَّ غضبُ اللهِ علىٰ رجلٍ يقتلُه رسولُ اللهِ في سبيلِ اللهِ'' [صحيح البخاري ح:٤٠٧٣] اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اس شخص پر پڑتا ہے، جسے اللہ کا کوئی رسول اللہ کی راہ میں قتل کر دے۔

مسند احمد میں حسن سند سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے سخت ترین عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو کسی نبی نے قتل کیا ہو یا کسی نے نبی کو قتل کیا ہو۔ اور ضلالت کا امام اور ذی روح کی تصویر بنانے والا ہو۔'' [مسند أحمد ١/٤٠٧ ح:٣٨٦٨، الصحيحة ح: ٢٨١]

بلکہ خود ہمارے نبی کریم ﷺ کو یہود کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی۔ سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مرض الموت میں تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! خیبر میں کھایا ہوا (زہر آلود) لقمہ مسلسل مجھے تکلیف دیتا رہا، حتی کہ اب میری شہ رگ کٹنے کا وقت آ گیا ہے۔'' [صحيح البخاري ح: ٤٤٢٨]

انبیاء کرام کا قتل خود ان مقتولوں کے لیے باعث کرامت اور اللہ عزوجل کے ہاں اعلیٰ مقامات نصیب ہونے کا ذریعہ ہے؛ لیکن ان درندہ صفت قاتلوں کے لیے باعثِ عذابِ شدید اور دنیا اور آخرت دونوں میں ذلت وخواری اور غضب الٰہی کا موجب ہے۔ [ابن کثیر، القرطبی، دعوۃ القرآن]

یادرہے کہ بنی اسرائیل کے ہاتھوں قتل انبیاء نص قرآنی اوراحادیث صحیحہ سے ثابت ہے؛لیکن امام ابن ابی حاتم اور امام ابوداؤدطیالسی کے طریق سے اوراسی طرح حافظ ابن کثیر وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک اثر پیش کیا ہے کہ بنی اسرائیل ایک دن میں تین سوانبیاء قتل کرتے تھے۔پھردن کے آخر میں سبزی بازار لگاتے تھے۔''

اس اثر کی ظاہری سند کودیکھ کربعض نے اسے حسن کہاہے۔لیکن شیخ البانیؒ نے اس کوضعیف کہاہے۔کیونکہ یہ اثر امام ابوداؤدطیالسی کی مطبوع مسند میں نہیں ہے۔اگراس کی سندامام ابوداؤدتک صحیح بھی ہوتی تو یہ اسرائیلی روایات میں سے ہے، جسے ابن مسعودؓ نے بیان کیا۔لیکن یہ اسرائیلی روایات عقلی اورنقلی دونوں طرح سے منکر ہیں۔

عقلی نکارت یہ ہے کہ تین سوانبیاء کاایک وقت اورایک علاقہ میں موجود ہونا اوران سب کے قتل پر بنی اسرائیل کا قدرت پاناایک باطل بات ہے۔نقلی طور پرنکارت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحیحین میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:''بنی اسرائیل کانظام اورتدبیرانبیاء کرام چلاتے تھے۔جب کوئی نبی فوت ہوتا تو اللہ تعالیٰ کسی اور نبی کو بھیجتے۔''اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء بڑی تعداد میں ایک وقت ایک علاقہ میں نہیں بھیجے جاتے۔بلکہ وہ یکے بعددیگرتشریف لاتے تھے۔

اوراس کی تصریح قرآن میں بھی آئی ہے۔﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرٰى﴾ اورکبھی کبھارایک نبی کی تائید کے لیے دوسرااورتیسرا بھیجا جاتا تھا۔جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حضرت ہارون کا مبعوث ہونااورسورۃ یٰسٓ میں اصحاب القریہ کے بارے میں آیاہے:﴿إِذْ أَرْسَلْنَآ إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا إِنَّآ إِلَيْكُم لَمُرْسَلُوْنَ ○﴾لیکن بہت زیادہ تعداد بیک وقت مبعوث کرنا سنت اللہ میں نہیں ملتا۔[الضعيفة ح: ٥٤٦١]

فائدہ نمبر۱۲: ﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللهِ﴾ سے معلوم ہوتاہے کہ اشیاء کاان کے اسباب کے ساتھ مربوط ہوناایک طبعی چیز ہے۔اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے اسباب کواس کے مسببات میں مؤثر بنایا ہے؛لیکن کبھی اسباب کے آگے رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں،تووہ عمل واقع نہیں ہوتا۔جیسا کہ آگ کا کام جلانا ہے،لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کوجب آگ میں ڈالا گیاتو اللہ تعالیٰ نے اس کی تأثیرختم کردی۔﴿يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ﴾[ابن العثيمين]

اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک گناہ گناہگار کودوسرے گناہوں کی طرف کھینچ لیتاہے۔اللہ کے ذکر سے غفلت' چھوٹا گناہ سرزدکرادیتاہے، پھربڑاگناہ، پھراس سے مختلف بدعات اورکفریات سرزدہوتی ہیں۔[السعدی]

فائدہ نمبر۱۳: زیرتفسیر آیت کریمہ اوراس سے قبل کی آیتوں میں مذکورہ افعال ہمارے نبی علیہ السلام کے زمانے